ہماری نجات اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے میں ہے!

ابوطاھر

ہم جس پاک مذہب کے پیرو ہیں اس کے پاک ہادی ؐ کا ایک نام احمدؐ ہے اور دوسرا محمدؐ۔ احمدؐ کا مطلب ہے سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، اور محمدؐ کا مطلب ہے تعریف کیا گیا۔ گویا آپ وہ عظیم الشان انسان ہیں جن سے زیادہ کسی کی تعریف نہیں کی گئی اور جن سے زیادہ کسی نے اپنے خالق کی تعریف نہیں کی۔ خود خدا جس کا ذکر خیر فرمائے اور قرآن میں جس کے اخلاق عظیمہ کا بیان ہے، کون ہے جو اس کی تعریف کا حق ادا کر سکتا ہے۔

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور بقول غالبؔ ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

آپؐ کی شانِ اقدس میں کیا کچھ نہیں کہا گیا۔

یہ آپ کی تعلیمات ہی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کا سیلاب جب عرب کے ریگستان سے اٹھا تو وقت کی متمدن حکومتیں عربوں کے قدموں پر جھک گئیں۔ آپ ہی کی تربیت کا اثر تھا کہ عرب کے بدؤں کے ہاتھوں میں قیصر و کسریٰ کے گریبان آگئے۔ آپ ہی نے اخوت کا وہ سبق دیا تھا کہ میدان جنگ میں وقتِ آخر، پانی کا جام قریب آتے ہی، ایک دوسرے کی طرف اور دوسرا تیسرے کی طرف بڑھا دیتا تھا اور تمام جامِ وصلِ حق سے سیراب ہوتے جاتے تھے، آپؐ ہی کی محبت تھی کہ ایک جنگ میں ایک جاں بلب صحابیؓ سے آپؐ اُن کی آخری خواہش دریافت فرماتے ہیں تو وہ اپنا زخمی جسم گھسیٹتے ہیں اور خود کو حضورؐ کے قدموں پر ڈال دیتے ہیں اور اپنے خون کی سُرخی سے نعت کی ایک دائمی تحریر لکھ جاتے ہیں۔ آپ ہی کی صحبت کا فیض تھا کہ جناب ابوبکر صدیقؓ۔ اسلام کے بنیادی اصولوں سے روگردانی کرنے والوں کے مقابلے میں عزمِ صمیم کا ثبوت دیتے ہیں۔

یہ آپ ہی کا فیضانِ صحبت تھا کہ جناب عمرؓ غلام کو اونٹ پر سوار کراتے اور خود اونٹ

کی نکیل پکڑے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہوتے ہیں۔

یہ آپ ہی کے نقوشِ پا کی چمک تھی جس کی روشنی میں، جنابِ عثمانؓ کا لہو نصوصِ قرآنی کو رنگین بنا گیا۔ آپ ہی کے سکھائے ہوئے آئین جہانداری تھے کہ جنابِ علیؓ پیوند لگے کپڑے زیبِ تن فرمائے ہوئے ہیں اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے پانی میں ڈبو ڈبو کر کھا رہے ہیں۔ آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ خلیفہ ہیں اور کیا کھا رہے ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ جب تک میری رعایا میں ایک بھی ایسا شخص ہے جو ایسا پہنتا اور ایسا کھاتا ہے۔ علیؓ نہ اس سے بہتر کھا سکتا ہے اور نہ پہن سکتا ہے۔

یہ آپؐ ہی کا اسوۂ حسنہ تھا کہ اس پہ عمل کیا تو ہمارے اسلاف عزت کی سب سے اونچی سطح پہ پہنچ گئے اور تاریخ کی بلندیاں، وقت کی رفعتیں اور زمانے کی رعونتیں ان کے حضور جھک گئیں ؎

جھکا دیں گردنیں فرطِ ادب سے کجکلاہوں نے
زباں پہ جب عرب کے سارباں زادوں کا نام آیا

ہم آج ذلیل و رسوا ہیں، مصائب و آلام کا شکار ہیں، دشمن کیلئے نشانۂ تضحیک ہیں، ہماری عزت و ناموس، کوچہ و بازار میں تماشا ہو کر رہ گئی ہے۔ ہماری صفیں منتشر، دل پریشان اور سجدے بے ذوق ہیں اور ہمارے اعمال کی سیاہ دلی، ہمارے چہروں پہ پھٹکار بن کر نمایاں ہو گئی ہے، غیر اللہ کی اطاعت اور اللہ کی اطاعت میں ٹکراؤ پیدا ہو چکا ہے اور جب یہ ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو انسان اس ذات لایزال کے دامنِ کرم سے اپنا رشتہ توڑ لینا اور دنیاوی دہلیزوں سے رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ جب انسان اس ایک دروازے کو چھوڑ دے تو پھر ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہو جاتی ہے اور اس کے لیے کوئی بھی ٹھکانا باقی نہیں رہتا ہے۔ بقولِ میرؔ ؎

کون بیٹھنے دے ہے پھر اس کو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

ہماری ذلت و بربادی کی ایک اور صرف ایک وجہ ہے کہ ہم نے اس آستانِ خداوندی کو چھوڑ دیا ہے جو ختمی مرتبت پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دکھایا تھا۔ ہم نے قرآن کی تعلیمات کو گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا دیا ہے اور ہم یہ حقیقت بھول گئے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعریف، ان کی تعلیمات پہ عمل ہے۔ اگر ہم قرآن کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں سیرت نبویؐ کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور اگر سیرت کو سمجھنا ہو تو قرآن کے اوراق کو دیکھنا چاہیئے کیونکہ وہ مجسم قرآنؐ تھا جو مدینے کی گلیوں میں چل پھر

رہا تھا۔

علامہ اقبال نے ایک مقام پر فرمایا تھا کہ ہم نے اسلام کی اتنی خدمت نہیں کی، جتنی اسلام نے ہماری خدمت کی ہے جب بھی ہم پر کوئی مشکل وقت آیا تو اسلام کے نام نے ہماری امداد کی۔ اس نام کے سہارے ہم اٹھے، سنبھلے اور بڑھے۔ ہم نے اسلام کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا حقیقت یہ ہے کہ واعظانِ کرام سے لے کر رندانِ مے آشام تک سب نے اسلام کا استحصال کیا۔ اور اسلام کی روح کو اپنے رگ و پے میں جاری و ساری کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم میں امام زیادہ ہیں اور مقتدی کم، واعظ وافر ہیں اور عمل کرنے والے ناپید۔ ہمارا مسلمان ہونا ایک پیدائشی حادثہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے ہیں، ہم اسلام سے باغی ہیں اور اپنے قلب و ذہن میں سومنات لیے پھرتے ہیں گویا ہم نے بہاروں سے منہ موڑ کر کانٹوں سے اپنے دامن کو تار تار کر لیا ہے ؎

مسلم از سرِ نبیؐ بیگانہ شد　　　باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد
از لات و منات و عزیٰ و ہبل　　　ہر یکے دارد بتے اندر بغل
شیخِ ما از برہمن کافر تر است　　　زانکہ او را سومنات اندر سر است

قانونِ فطرت بدلا نہیں کرتا، ہمارے دور کا المیہ یہ ہے کہ ہم مسلمان نہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ وقت گزر رہا، زمانہ بیت رہا اور تاریخ مرتب ہو رہی ہے، یہی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب انسان سرکش ہو کر عظمتِ الٰہی کے سراپردۂ جلال کو چاک کرتے ہوئے غرور و تکبر میں خود کو خدا بنا لیتا ہے اور جب یہ سرکشی، اللہ کے دائرۂ عفو و کرم سے آگے نکل جاتی ہے تو جلالِ الٰہی حرکت میں آتا ہے نتیجہ معلوم کہ کوئی طوفان اٹھتا ہے جو مغرور انسانوں کو خشک پتوں کی طرح اڑا کر لے جاتا ہے یا کوئی سیلاب آتا ہے جو سرکش لوگوں کو برگِ حشیش کی مانند بہا لے جاتا ہے۔ یہ آئے دن کے حادثے یہ قحط سالیاں۔ یہ ابلتے خون، یہ لٹتے قافلے اور یہ تار تار عصمتیں، ہمارے ہی اعمالِ بد کا ثمرہ ہیں، اور قانونِ تعذیبِ الٰہی کی مختلف صورتیں۔ یہی وہ قانونِ قدرت ہے جس کے آئینے ہیں، قومِ ثمود، مثلِ غبار دکھائی دیتی، قومِ عاد، خس و خاشاک کی مانند اڑتی نظر آتی اور قومِ نوح، طوفان میں ڈوبتی دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم حوادثات و ابتلا سے سبق نہیں لیتی وہ رسوائی کو اپنا مقدر بنا کر موت کو دعوت دیتی ہے۔

تاریخ اسی کا احترام کیا کرتی ہے جو اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ جو قوم تاریخ کے تقاضوں

سے پہلو تہی کرتی ہے! ہٹ جاتی ہے ؎

یہ کاروانِ ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں اس کی رواروی میں

وقت، زندگی اور تاریخ کا کارواں جا رہا ہے جو اس کا ساتھ دے گا یہ اسے ساتھ لے جائے گا اور جو ساتھ نہیں دے گا اس کی حیثیت "چوب خشک صحرا" سے زیادہ نہیں ہوگی جسے آگ لگانے کے بعد کارواں آگے نکل جاتا ہے۔ جو قوم اپنے اسلاف کو بھول جاتی اور اپنے ہادی کی تعلیمات سے عملاً گریز کرتی ہے۔ اسے اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ تاریخ ایک لازمی، بدیہی اور ناگزیر عمل ہے۔ یہ ہمارے لیے نہ اپنا چلن بدل سکتی ہے اور نہ اپنی رفتار روک سکتی ہے ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

آج ہماری حیثیت، ایک شاخ بریدہ کی سی ہے ہمارا احساس نشو و نما کھو چکا ہے اور ہم نہیں سمجھتے کہ جو شاخ درخت سے اپنا تعلق منقطع کر لیتی ہے اسے بہار کا کوئی سایا دل بھی ہرا کر سکتا ہے آج ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جس کو قرآن کی بلیغ زبان مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْن" سے تعبیر کرتی ہے۔

ہم ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹ گئے ہیں اور یہی فسق ہے اور فاسق کا وجود، خدا کی غیرت کے لیے ایک چیلنج ہوتا ہے۔

اقبال مسلمانوں کی حالتِ زار پر روتے رہے۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر محبوب نہیں رکھتی ؎

شبے پیشِ خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمے دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

جب تک محبوب اور منزل متعین نہ ہو، ارادوں میں توانائی، نگاہوں میں رفعت، جذبے میں مستی اور کردار میں والہانہ پن پیدا نہیں ہوتا۔ سفر سے پہلے منزل کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ اگر

(بقیہ بر صفحہ ۱۸)